جاوید اسلام خان۔ دوحہ (قطر)

سرکاری سرپرستی میں فرقہ واریت

پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ چیئرمین کے نام ۔۔۔۔ ایک خط!

مکرمی جناب میجر (ریٹائرڈ) اقبال احمد صاحب چیئرمین پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ

السلام علیکم امید ہے مزاج گرامی بخیر ہونگے

میں یہاں دوحہ (قطر) میں ایک پاکستانی ہائی سیکنڈری سکول میں پڑھاتا ہوں اور آپ سے پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کی نصابی کتب کے بارے میں چند گذارشات کرنا چاہتا ہوں کچھ عرض کرنے سے پہلے چاہتا ہوں کہ اپنی پوزیشن کچھ واضح کر دوں کہ مبادا میری گذارشات کو مذہبی شدت پسندی تصور کیا جائے میں بنیادی طور پر نفسیات کا استاد ہوں اور اسی مضمون کی روشنی میں یہ معروضات پیش کر رہا ہوں نفسیات کے علاوہ دیگر مضامین بھی پڑھاتا ہوں اور خاص کر اسلامیات مسلکی طور پر صرف اور صرف سنی مسلمان ہوں اس کے علاوہ کسی اور مسلکی تقسیم میں منقسم ہوں اور نہ اسے صحیح سمجھتا ہوں اپنے مذہبی خیالات سے مختلف خیالات رکھنے والے لوگوں کے بارے میں کسی قسم کے تعصب کا شکار ہوں اور نہ اسے پسند کرتا ہوں البتہ اتنا ضرور تسلیم کرتا ہوں ہر اکثریتی گروہ کو اس بات کا حق ہونا چاہیے کہ درسی و نصابی کتب میں اکثر و بیشتر انہی کے عقائد کو پیش کیا جائے مگر اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ اس سے اقلیتی گروہ کی دل آزاری نہ ہو یہی اصول دنیا بھر میں بطور اصل الاصول تسلیم کیا جاتا ہے کہ یہ اجتماعی نظام میں پبلک لاء (Public Law) ہمیشہ اکثریتی گروہ یا اکثریت کے خیالات اور خواہشات کے مطابق ہوتا ہے مگر پرسنل لاء (Personallaw) میں اقلیتی گروہ کو آزادی ہوتی ہے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ مملکت خداداد میں صرف دو ہی مسالک آباد ہیں ایک سنی دوسرے شیعہ اور دونوں کے افکار و آراء سے ہم اکثر واقف ہیں ہر صاحب عدل و انصاف یہ تسلیم کرتا ہے کہ پاکستان میں سنی مسلمانوں کی تعداد تقریباً ۸۰ سے ۹۰ فیصد ہے مگر اپنے ملک میں رائج نصابی کتب دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ معاملہ شاید اس کے بالکل برعکس ہے ہر جگہ اقلیتی گروہ کے نظام عقائد کو مد نظر رکھ کر نصاب کا اسلامی حصہ (خاص کر قرن اوّل کی مسلم شخصیات یعنی صحابہ و صحابیات کا حصہ) مرتب کیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے اور نکل رہا ہے کہ ہمارے بچے یعنی اکثریتی گروہ کے بچے اپنے ہی عقائد و مسلمات سے نہ صرف ناواقف رہ جاتے ہیں بلکہ اقلیتی گروہ کی آراء کو اپنا بھی رہے ہیں۔

مثال کے طور پر ہم سب واقف ہیں کہ امت مسلمہ کی اکثریت کا اجماع ہے کہ ''علیہ السلام'' کا لاحقہ صرف اور صرف پیغمبروں کے لیے آتا ہے جبکہ اہل تشیع اپنے بارہ آئمہ کے ساتھ بھی یہی الفاظ استعمال کرتے ہیں دو چار سال اکثر نصابی کتب میں حضرت علیؓ، حضرت حسینؓ اور حضرت فاطمہؓ کے نام کے ساتھ

باقاعدہ "علیہ السلام" لکھا ہوتا تھا اور کچھ میں اب بھی لکھا ہوا ہے۔ مثلاً

(۱) تیسری جماعت کی اردو کی کتاب (اشاعت مارچ ۱۹۹۹ء) کے صفحہ نمبر ۱۰۵ پر موجود ہے مضمون بہ عنوان "حضرت علی علیہ السلام" موجود ہے اور اس سارے مضمون میں حضرت علیؓ کے ساتھ "علیہ السلام" استعمال کیا گیا ہے جبکہ اسی کتاب کے مضامین بہ عنوان حضرت خدیجہؓ (صفحہ نمبر ۱۴) حضرت عمر فاروقؓ (صفحہ ۸۹) سب میں "رضی اللہ عنہ" کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جبکہ اسی کتاب کے صفحہ ۸۰ پر ایک مضمون حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ہے یعنی صرف دو حضرات حضرت ابراہیم اور حضرت علی کے ساتھ علیہ السلام کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

(۲) جماعت پنجم کی معاشرتی علوم کی کتاب (اشاعت اپریل ۱۹۹۹ء) میں صفحہ ۱۱۵ پر مضمون "حضرت فاطمہ الزہرا علیہ السلام" کے نام سے موجود ہے اور سارے مضمون میں آپ کےلیے "علیہ السلام" کے الفاظ ہی استعمال کیے گئے ہیں۔

عرض یہ ہے کہ خواہ علیہ السلام کے الفاظ جان بوجھ کر استعمال کیے گئے ہوں یا سہواً دونوں کے نتائج یکساں ہیں کہ ہم اپنی نئی نسل کو اس بات کا کوئی جواب نہیں دے سکتے کہ باقی صحابہ اور ان صحابہ کرام میں کیا فرق و امتیاز ہے کہ ان کے نام کے ساتھ استعمال ہونے والے القابات مختلف ہیں اور دوم یہ کہ نہ ہی یہ وضاحت ہمارے لیے ممکن ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت حسینؓ اور حضرت فاطمہؓ اور دیگر پیغمبرانِ خدا میں کیاقدر مشترک اور مماثلت ہے کہ جس کی بنا پر ان کے ناموں کے ساتھ استعمال ہونے والے القابات مماثل اور ایک ہیں اگر ہم ان سوالات و اشکالات کے شافی جواب دینے کی کوئی سعیٔ لاحاصل کر بھی لیں تو اکثر طلباء عام اصول کے تحت وہی کچھ قبول کریں گے اور وہی کچھ تسلیم کریں گے جو درسی کتب میں ان کو پڑھنے کو ملتا ہے اور اس کا نتیجہ سوائے اس بات کے اور کیا نکلے گا کہ اکثریتی گروہ کے اندر احساس محرومی، اقلیتی گروہ کے متعلق نفرت، انکی مذہبی شناخت اور عقائد کو ختم کرنے کا لازمی تاثر اور اس کے نتیجے میں فرقہ وارانہ منافرت اور مناقشت کو مزید ہوا ملے گی۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ قریباً اکثر جماعتوں کے نصابات میں ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ پر ایک سبق موجود ہوتا ہے اور بعض میں (مثلاً چھٹی جماعت کی اردو کی کتاب میں) آپؓ کے بارے میں بڑی عمدہ اور وسیع تفصیلات اور معلومات موجود ہیں مثلاً حضرت خدیجہ کے وکیل نکاح کا تذکرہ وغیرہ مگر اس پورے مضمون میں اور اسی طرح آپؓ کی ذات پر میٹرک تک کی ساری نصابی کتب میں شامل مضامین میں کسی ایک میں بھی آپؓ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کا سرے سے کوئی تذکرہ تک نہیں ہے۔

اسی طرح ان نصابی کتب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ پر (معاشرتی علوم

جماعت چہارم صفحہ ۱۱۵) سبط الرسول حضرت حسینؓ پر (اردو جماعت ہشتم و اردو جماعت نہم و دہم) اور نواسیٔ رسولِ حضرت زینبؓ پر (اردو جماعت ہشتم) تو مضامین داخل نصاب ہیں اور یقیناً ہونے بھی چاہئیں کہ یہ سب بھی آسمانِ ہدایت کے روشن ستارے ہیں، لیکن پورے درسی نصاب حتّٰی کہ جماعت اول سے لیکر ایف۔اے تک کسی بھی کتاب میں ایک لفظ اور ایک فقرہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باقی تین بنات الطاہرات (بیٹیوں) پر ڈھونڈے سے نہ ملے گا جس کا لازمی نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ طلباء کیا اچھے اچھے پڑھے لکھوں کو بھی یہی معلوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک ہی بیٹی حضرت فاطمہؓ تھیں۔

اسی طرح اسلامیات اختیاری جماعت نہم و دہم اشاعت (۹۸ء) میں اخلاقِ نبوی کے ضمن میں صفحہ ۲۰۷ پر حضرت ابو سفیانؓ کی قبلِ اسلام مخالفت اسلام، فتح مکہ کے موقع پر ان کی گرفتاری اور پھر اسی موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کے گھر کو دارالامان قرار دینے کی ساری باتیں موجود ہیں اگر موجود نہیں تو اسی موقع پر ابو سفیانؓ کے اسلام لانے کی بات نہیں ہے۔ حالانکہ ان کے گھر کو دارالامان قرار دینا ان کے اسلام لانے ہی پر ان کی عزت و احترام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصی فراخ دلی اور رحمت کے طور پر تھا مگر یہ پورا پیرا پڑھ کر صرف یہی تاثر ملتا ہے یا دیا جاتا ہے کہ ابو سفیانؓ ہمیشہ اسلام مخالف رہے اور مسلمان ہوئے یا نہیں بلکہ بہ الفاظ دیگر نہیں ہوئے۔

ان ساری گذارشات کے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہماری نصابی کتب میں شامل قرنِ اوّل کی صرف انہی شخصیات کو داخل نصاب کیا جاتا ہے جو اقلیتی گروہ کے نزدیک قابل احترام ہوں اور ان کے متعلق معلومات بھی صرف وہی فراہم کی جاتی ہیں جو ان کے لیے قابل قبول ہوں مثلاً حضرت خدیجہؓ کی باقی تین بیٹیوں کا عدم ذکر اور اگر کچھ دوسری شخصیات کا ذکر اگر یہ امر مجبوی کرنا بھی پڑے تو مسلمہ حقائق کو چھپاتے ہوئے مثلاً حضرت ابو سفیانؓ کے قبولِ اسلام کو مخفی رکھنا۔ کیا یہ تاریخ کے حصے بخرے کرنے اور قطع و برید کے مترادف نہیں؟ کیا یہ ایک اقلیتی گروہ کی پسند اور عقائد کو اکثریتی گروہ پر ٹھونسنے کے مترادف نہیں؟ کیا یہ عدل و انصاف کا خون نہیں؟ اور کیا یہ کتمانِ حق و صداقت نہیں؟

یہ سب کچھ اگر سہواً ہے تو مجھے امید واثق ہے کہ آپ اس طرف جلد توجہ دیں گے اور اگر یہ قصداً ہے تو پھر ہم اس طوفان اور جدال کا انتظار کرتے ہیں جو تادیر ناانصافی برداشت کرنے کے ردِ عمل میں لازماً آیا کرتا ہے اور جب نہ اصلاحِ تفصیر کام آتی ہے نہ سرکاری وعظ و نصیحت۔......مورخہ: ۱۴ جون ۲۰۰۰ء

والسلام

مخلص

جاوید اسلام خان دوحہ (قطر)